محمد محسن خالد (محسن خالد محسن)
لیکچرار، (شعبہ اُردو) گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، چوہنگ، لاہور

صِنفِ رُباعی اور رُباعیاتِ شمس الرحمن فاروقی: اِجمالی جائزہ

An Overview of Sinf –e- Rubai & Rubayat-e Shamsur-rahman Faruqi

ABSTRACT
Shamsur Rahman Farooqi is a shining star of Urdu literature who carved his own path in research and criticism and walked on it so successfully that the destination itself became the anklet of his feet. Shamsur Rahman Farooqi has written and discussed all genres and styles of Urdu literature. Shamsur Rahman Farooqui was a critic as well as a creator. As a poet, his status has been anonymous, and his personality is more involved. In this paper, an attempt has been made to explore the creative aspects of Shamsur Rahman Farooqui as a poet. Azhar Al-Shams is the interest of Farooqi Sahib in the genre of quartet. The evolutionary journey of Rabi covers thousands of years. Shamsur Rahman Farooqi preferred Rabai over ghazals, poems, and verses. This paper contains a critical review of Shamsur Rahman Farooqi's Rabai'at, which tries to determine the role of Shamsur Rahman Farooqi in the evolution and development of the genre of Rabai.
Key Words:*Urdu Rubai,Urdu Literature,Iranian literature, Persian poetic style, Sufism, Symbolism, Classical period, Maulana Rum, Shah Nama, fana o baqa, Mythology, Bayan, and Bid'i. social circumstances*

رُباعی کے آغاز کا سہرا فارسی سے ہوتا ہوا اُردُو کے سر سجتا ہے؛ جہاں اسے پھولنے اور پھلنے کا ملا۔ شمالی ہند میں جب اُردُو اپنے عہدِ زریں کے دور سے گزر رہی تھی۔ اس وقت بھی شعراء اپنی محبوب ترین اصناف یعنی "غزل ، مثنوی، قصیدہ" اور "مرثیہ" کے سحر میں گرفتار تھے۔ رُباعی کی جانب بہت کم شعراء نے توجہ دی۔

ادی النظر میں دیکھا جائے تو عجم کے فارسی شعراء کے ہاں رُباعی کا عروج دکھائی دیتا ہے۔ ابو شکور بلخی اور رودکی کی رُباعیات؛ سامانی دور سے متصل ہیں۔ دورِ سلاجقہ کے رُباعی گو شعراء نے رُباعی کو بامِ عروج تک

پہنچایا۔ابو سعید ابولخیر، حکیم عمر خیام ؒاس دور کے اوّلین رُباعی گو شاعر ہیں۔متاخرین میں مولانا جامیؒ، سحابی استر آبادی،امیر خسروؒ، بو علی قلندرؒ، میرزا عبدالقادر بیدل اور مولانا غلام قادر گرامی کے اَسما قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ غمگیں واحد کلاسیکی شاعر ہیں جن کی رُباعیوں کا مجموعہ ''مکاشفات الاَسرار'' کے نام سے دریافت ہوا ہے جس میں کم و بیش اٹھارہ سو کے قریب رُباعیاں موجود ہیں۔ کلاسیکی شعرا کے یہاں رُباعیاں اکاڈکا ملتی ہیں ۔عہدِ غالب تک رُباعی کو قابلِ توجہ صنفِ سخن کے طور پر سراہا نہیں گیا؛البتہ میرؔ اور دردؔ کے یہاں رُباعی کا مذاق کسی قدر نظر آتا ہے؛ لیکن ان کی رُباعیاں زیادہ تر فارسی میں ہیں۔اُنیسویں صدی کے وسط میں اُردو رُباعی کو انیسؔ و دبیرؔ کے عہد خصوصی توجہ ملی۔

اُردو کے کلاسیکی شعراء میں بیشتر نے رُباعی میں طبع آزمائی ضرور کی ہے۔ جن شعرا نے باقاعدہ رُباعی کو اپنا شعارِ سخن بنایا؛ان میں عزم مدراسیؔ، غمگیںؔ، میر احمد علی اثرؔ، عبدالباری آسیؔ، قوسؔ حمزہ پوری اور مہاراجہ کشن پرشادؔ صاحبِ دیوان کے نام لیے جا سکتے ہیں۔حمدیہ اور نعتیہ رُباعیات کے حوالے سے محمد علی اثرؔ، دانش فرازیؔ اور علامہ فدوی باقویؔ کی رُباعیات خصوصی توجہ کی حامل ہیں۔

انجمن پنجاب کے مشاعروں کے انعقاد کے بعد اُردو شاعری میں ایک نیا موڑ آیا؛جب شعراء نے کلاسیکی شعری اَصنَاف سے کنارہ کشی اختیار کر کے جدید مغربی شعری اَصنَاف پر توجہ دی۔اس مصنوعی آب و ہوا میں بھی لاشعوری طور پر اکبرؔ و حالیؔ کے یہاں رُباعی جیسے تیسے اپنے قدم جمائے مزید تر توانا ہونے کی کوشش میں آگے بڑھتی رہی۔رُباعی کا یہ ارتقاء ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر نہیں ہوا۔فانیؔ کے بعد صحیح معنوں میں جوشؔ اور فراقؔ نے اُردو رُباعی کو متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اُردو ادب کے وہ شعراء جنھوں نے دیگر اَصنَاف میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ رُباعی میں بھی نام کمایا ان میں میر انیسؔ، شادؔ عظیم آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فانی بدآیونیؔ، رضا علی بیگ وحشتؔ، فراقؔ گورکھپوری، رمیش تنہاؔ اور شمس الرحمن فاروقی کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔

رُباعی کے بارے میں جوشؔ کے اس قول بحوالہ شمس الرحمن فاروقی: ''یہ کم بخت چالیس برس سے پیشتر کسی بڑے سے بڑے شاعر کے بس میں آنے والی چیز نہیں ہے'' سے ہر خاص وعام مرعوب تھا۔جدید شعرا ءنے رُباعی میں طبع آزمائی کو بطور شاعر؛شعری شناخت قائم کرنے کا ایک مشکل مرحلہ قرار دیا۔رُباعی کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ یہ ہر طرح کے سنگین حالات میں بھی تاریخ کے ڈھیر میں دبنے سے محفوظ رہی ہے۔

آزادی کے بعد رُباعی جیسی صنف سخن موجود ہونے کے باوجود شعراء کی ایک کثیر تعداد "سانیٹ، ہائیکو، ماہیے، چوبولے، ترویني، ماہیے" وغیرہ کی جانب متوجہ رہی۔اس متوازی جارحیت کے باوجود رُباعی نے خاموشی سے اپنا سفر جاری رکھا۔

رُباعی کو متعدد ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ جیسے "ترانہ، دوبیتی، چہار مصرعی، چہار بیتی اور رُباعی"۔ ترانہ رُباعی کا ابتدائی نام ہے۔ ترانہ موسیقی کی اصطلاح ہے جس کا اطلاق موسیقی کی بعض مخصوص آوازوں پر ہوتا ہے۔ رُباعی کو "دوبیتی" کہنے کی اس میں دوبیت کا ذکر ہونا ہے، لیکن "چہار بیتی" کہنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ جن لوگوں نے چار مصرعوں کو چار بیت شمار کیا، ان کے نزدیک "چہار بیتی" نام پڑ گیا۔ بعض حضرات نے رُباعی کو سنسکرت کے "چارچرن"، ہندی کی "چوپائی" اور پشتو کی "چاربیتہ" بھی کہا ہے۔

ڈاکٹر یوسف رامپوری لکھتے ہیں:

"رُباعی کا ایک اہم موضوع 'اصلاح' رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر دور کے رُباعی گو شعراء نے اصلاحی رُباعیاں کہی ہیں۔ پہلے صوفیاء، علماء اور مذہبی شخصیات نے رُباعی کو اصلاح کا ذریعہ بنایا، پھر یہ روایت اِتنی مستحکم ہو گئی کہ آج تک قائم ہے۔ غالباً گزشتہ ادوار کے شعراء کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ رُباعی کے توسط سے سماجی، تہذیبی اور ملی سطح پر اِصلاح کا کام موثر کن انداز میں لیا جاسکتا ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ جس طرح اصلاح کی گہری چھاپ ادوارِ رفتہ کی رُباعیوں پر چھائی ہوئی ہے، اسی طرح عہدِ حاضر کی رُباعیوں میں بھی اصلاح کا رنگ کافی گہرا ہے۔ 1

محمد عبداللہ خاں خویشگی رُباعی کے لغوی معنی کی تعین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اُردُو کی شعری اَصناف میں جس صنف کو اس کی تکنیک کے لحاظ سے نہایت مشکل تصور کیا جاتا ہے؛ وہ ''رُباعی'' ہے۔ لفظ ''رُباعی'' عربی لفظ ''رُبع'' سے ماخوذ ہے جس لغوی معانی ''چار، چوتھائی'' کے ہیں"۔ 2

عربی زبان کے علمِ صرف میں ''رُباعی'' ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو چار حروف سے مل کر بنا ہو۔ اسی مناسبت سے حکماء اور استادانِ سخن نے ''رُباعی'' ایسی مختصر نظم کو کہا جو چار مصرعوں (دو شعروں) پر مشتمل ہو۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"ابتداً میں رُباعی کے چاروں مصرعے باہم مقفیٰ ہوتے تھے بعد ازاں تیسرے مصرعے سے قافیہ حذف ہو گیا اور اسے رُباعی کہنے لگے۔ گویا چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو رُباعی غیر خصّی اور تیسرے میں قافیہ نہ ہو تو رُباعی خصّی کہیں گے۔ فارسی اُردُو کی رُباعیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ خصی رُباعی کو قبولِ عام حاصل ہوتا گیا اور غیر خصّی رفتہ رفتہ متروک ہو گئی"۔3

شروع شروع میں رُباعی کو "دوبیتی، چہار مصرعی، جفتی اور ترانہ" بھی کہتے تھے۔ شمس الدین محمد بن قیس لکھتے ہیں:

"رُباعی کو ترانہ اس لیے کہتے ہیں کہ اربابِ موسیقی نے اس وزن پر اچھے اچھے راگ بنائے ہیں۔ عربی میں ایسے اشعار کو قول بولتے ہیں"۔4

رُباعی کا ایک وزن معین ہے۔ رباعی میں "زحافات" اس میں بعض کے نزدیک 'اٹھارہ'، بعض کے نزدیک 'چوبیس' ہیں۔ اس بحر کا نام 'بحرِ رُباعی' ہے۔ اصل میں 'بحر ہزج' کے 'بارہ اخرب' اور 'اخرم اوزان' جن کی تعداد 'چوبیس' ہوتی ہے 'اوزانِ رُباعی' کہلاتے ہیں اور رُباعی کا اطلاق اپنے اوزان پر ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"رُباعی بحر ہزج سے مخصوص ہے؛ اس طرح چوبیس وزن بنتے ہیں پس جو چار مصرعے چوبیس وزن پر ہوں گے وہ رُباعی ہے ورنہ ایسے دوست جن کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو رُباعی نہیں"5

رُباعی کے وزن کے متعلق ان اقتباسات کو آج تک کی تحقیق کا خلاصہ سمجھنا چاہئے۔ جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے اور جو بھی حوالے دیئے گئے ہیں وہ تمام کے تمام مستند اہل قلم کے ہیں۔ ان تمام کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں ملتا۔

ڈاکٹر مظفر حنفی صِنفِ رُباعی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"رُباعی کا فن کوزے میں سمندر کو سمونے کا فن ہے اور رُباعی کے لیے صرف ایک بحر کی پابندی فنکار کے لیے پل صراط کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ معمولی اِستعداد رکھنے والے شاعر کے لیے ایک بحر کے چار مصرعوں میں عمیق تجربات اور گہرے خیالات میں اپنے متنوع تجربات پیش کر دینا انتہائی دُشوار عمل ہے"۔6

رُباعی اُردُو شاعری کی وہ صنف ہے جسے غزل، قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی کے ہم پلہ توقرار نہیں دیا جاسکتا تاہم اسے نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔اس کا ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ ہر دور میں اُردُو کے اہم شعرا نے رُباعی' میں طبع آزمائی کی ہے اور اپنے خیالات واحساسات کا بہترین اظہار بھی کیا ہے جس کا نمونہ ان کے کلام میں دیکھا جاسکتا ہے۔ معروف رُباعی گو شاعر ناوک حمزہ پوری لکھتے ہیں:

"ہمارے ناقدین نے رُباعی کی فنی مشکلات کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا ہے اور اس تواتر سے کیا ہے کہ نئے شاعروں نے غالباً رُباعی کو آسیب سمجھ کر اس کے نزدیک جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس آسیب کو بھگانے کے خیال سے میں نے طویل مقدماتی مضمون بھی لکھ ڈالا تھا۔ یہ دیکھ کر یک گونہ اطمینان ہوا کہ کوشش رائیگاں نہ گئی۔ نہ صرف یہ کہ بزرگ شعراء کو بھی احساس ہوا کہ رُباعی بھی کہنا چاہیے بلکہ نئی نسل کے بہت سارے شعراء رُباعی گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر سال رُباعی کے دو تین مجموعے شائع ہونے لگے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے"۔7

شمس الرحمن فاروقی نے موجودہ عہد میں لکھی جانے والی رُباعیات اور رُباعی گو شعراء کے بارے میں جو کہا ہے،اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عہد میں رُباعی زوال پذیر نہیں بلکہ ترقی پذیر ہے۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

"ان دنوں شہر شہر بلکہ قریہ قریہ رُباعی گویوں کا ہجوم ہے۔اس بات سے قطع نظر کہ جو رُباعیاں کہی جارہی ہیں وہ کیسی ہیں،رُباعی کی یہ غیر معمولی مقبولیت کم سے کم دو باتیں ثابت کردیتی ہیں۔اول تو یہ کہ عقیدۂ عام کے برخلاف رُباعی کچھ ایسی مشکل صنف سخن نہیں اور نہ ہی اس کے اوزان اتنے اجنبی ہیں جتنے کہے جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ یہ بھی محض افسانہ ہے کہ رُباعی پختہ عمر(اور بقول جوش ملیح آبادی چالیس سال سے زیادہ کی عمر) کا شاعر مانگتی ہے۔رُباعی کی اس فتح مندی کو میں اُردُو شاعری کے لیے فالِ نیک سمجھتا ہوں"۔8

اُردُو رُباعی نے ہر دور میں جدید رجحانات ومیلانات کا ساتھ دیا اور وقت کی عکاسی کی ہے۔رُباعی نے اپنے آپ کو کبھی بھی محدود و مخصوص موضوعات میں پابند نہیں کیا۔رُباعی میں اگرچہ اخلاقی، مذہبی، اصلاحی،

حکمت اور فلسفہ جیسے موضوعات زیادہ غالب رہے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کا خاطر خواہ ذخیرہ اُردو رُباعی میں موجود ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل یعنی عہدِ حاضر میں اُردو رُباعی کی کیا صورت حال ہے؟ اس دور میں رُباعی کی طرف کتنے شعرا متوجہ ہیں؟ اس دور کی رُباعیوں کا معیار کیا ہے؟ کس طرح کے موضوعات و مضامین رُباعیات میں نظم کیے جاتے ہیں؟ ان تمام پہلوؤں پر محیط وقیع مطالعے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ خوش آئند یہ بات ہے کہ عہدِ حاضر میں جہاں کئی اَصناف دم توڑ چکی ہیں یا دم توڑ رہی ہیں؛ وہاں رُباعی ہنوز زندہ ہے۔

شمس الرحمن فاروقی بطور نقاد، مورخ، لغت نگار، مترجم، ناول نگار، افسانہ نگاری اور جانے کیا کچھ تھے۔ ان کے مذکورہ تخلیقی اوصاف کے برعکس ان کی طبیعت کی موزونی کا مشاہدہ ان کی شاعری سے کرنا؛ ان کی شخصیت، فن اور تخلیقی ذہن کے افہام کا مرکزی محور ہے۔ فاروقی صاحب نے تنقید سے لے کر ناول تک؛ ہر صنف میں لائقِ تحسین کام کیا۔ بطور شاعر انھیں وہ پذیرائی نہ مل سکی جو ان کا حق تھا۔

بلراج کومل لکھتے ہیں:

"شمس الرحمن فاروقی بلاشبہ اُردو زبان و ادب کے انتہائی متکلم، وسیع النظر، وسیع المطالعہ نقاد اور شاعر ہیں۔ ان کی شخصیت کے ان گنت پہلو ہیں۔ شاعر جس پر نقاد حاوی ہے لیکن حواس کے باوجود بطور شاعر سر گرم کار ہے۔ نقاد جو بیک وقت شعر، غیر شعر، نثر، عروضِ آہنگ، بیان، لفظ و معنی، فکشن اور لغت سازی کی تخلیق میں بلند مرتبہ مقام مشرقی علوم، جدیدیت کے جملہ مباحث پر حاوی نظر آتا ہے"۔9

شمس الرحمن فاروقی ایک غیر جانبدار نقاد تھے۔ انھوں نے "شب خون" کے ذریعے اُردو ادب کی جملہ اَصناف کے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی ادب کو منظرِ عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تنقید کے آگے ان کی شاعری کا چراغ جل نہ سکا۔ فاروقی صاحب بطور شاعر ہنوز وہ مقام حاصل نہیں کر سکے جس کے یہ حق دار ہیں۔ نوشاد کامران لکھتے ہیں:

"تنقید، تحقیق، فکشن، زبانی بیانیہ اور شاعری شمس الرحمن فاروقی کے خاص میدان ہیں۔ فاروقی صاحب نے تنقید، تحقیق، فکشن کے مقابلے میں اپنے شعری سرمائے کو پسِ پُشت ہی رکھا۔ ان کا شعری سرمایہ ان کے دیگر جملہ تنقیدی کام کے مقابلے میں کسی صورت کمتر قرار

نہیں دیا جا سکتا۔ انھوں نے بہت کم کہا اور جو کہا؛ اس کا بڑا حصہ وہ منظرِ عام پر نہ لا سکے۔ ان کے معاصرین میں ایسے حوصلہ شکنوں کی کمی نہیں جنھوں نے ان کے کلام پر اعتراض کیے اور کھل کر داد نہ دی۔"10

شمس الرحمن فاروقی نے اپنے دور سے بہت پہلے کے عربی فارسی شعرا کی رُباعیات کو سہل، آسان اور رواں انداز میں اُردُو کے قالب میں اس انداز سے ڈھالا ہے کہ رُباعی کا فنی حُسن بھی زائل نہیں ہوا جبکہ اصل مفہوم اپنے تمام تر معانی کے ساتھ رُباعی میں آشکارا ہو گیا ہے۔ فاروقی کی شعری ترجمے کی صلاحیت ان کا ایک خاص وصف ہے جس پر نقادوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔

شمس الرحمن فاروقی کے "گنجِ سوختہ" شعری مجموعے میں کل 09 رُباعیاں شامل ہیں جو ترجمہ شدہ ہیں۔ پہلی رُباعی عربی سے ترجمہ ہے جس میں ابنِ آدم کو سعیِ عمل کی تلقین کی گئی ہے؛ یاسیت کے مقابلے میں مسرت کو برتر قرار دیا گیا ہے۔ دوسری رُباعی عمق بخارائی کی ترجمہ شدہ ہے جس میں استفہامیہ انداز میں عاشق، خواب،، آنکھ اور آتش کے تلازموں سے عشق کی تفہیم کی گئی ہے۔

- ہر آنکھ جو عاشق ہے خواب اُس کو نہ دیں/ہر دل جو آتش ہے آب اُس کو نہ دیں
دل چھوڑ کے بھاگا ہے مجھے اب زنہار/در پر ہو جو حلقہ زن جواب اُس کو نہ دیں 11

تیسری رُباعی مولانا روم کی رُباعی کا ترجمہ ہے جس میں عشق کے معاملات اور کار ہائے جُملہ کا فرق مکتب کی تعلیم اور تجرباتی تقدیم سے واضح کیا گیا ہے۔ مولانا روم نے مکتب کی تعلیم عشق کے معیار سے بہت پست اور کارِ دیگر قرار دیا ہے۔ چوتھی رُباعی بھی مولانا روم کی ہے جس میں شب بیداری کی تعریف کو فراق و وصال کے لمحات سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پانچویں رُباعی سحابی نجفی استرآبادی کی ہے جس میں وحدانیت یعنی فلسفۂ احدیت کو ہست و نیست کے تناظر میں واضح کرنے کی مصلحانہ کوشش کی گئی ہے۔

- ابنائے زمانہ زشت و نیکو سب ہیچ/پھیلی ہوئی چھت یہ طرح مینو سب ہیچ
ہر شے جسے موجود کہ ممکن دیکھنا/گر تو ہے تو ہیچ نہیں تو سب ہیچ 12

چھٹی رُباعی بھی سحابی نجفی استرآبادی کی ہے جس میں بیداد و فریاد کو مکالماتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ساتوں، آٹھویں اور نویں رُباعی بھی سحابی نجفی استرآبادی کی ہے جس میں استرآبادی نے فریب کار دوست اور اصل قدر شناس کا فرق بیان کیا ہے۔ استرآبادی کی رُباعیوں میں زیادہ تر اخلاق اور معاملاتِ طریقِ زیست کا احوال ملتا ہے جو ان کی تصوف سے دلچسپی اور مذہبی طُرقِ روش کا عملی نمونہ ہے۔ غم کے مقابلے میں صبر اور دید کے مقابلے میں

ادید کو مونس، ہجراں قرار دینا؛ ایک طرح کی بے کسی ہے جو استر آبادی کو جز وقتی تسکین تو فراہم کرتی ہے لیکن کشکولِ سعی کو تشنگی سے متصل کیے رکھتی ہے۔

ہے عمر کا کشکول عمل سے خالی / مکھی کا چھتہ ہے عسل سے خالی

ہے عق کا کاسہ توازل سے خالی / جز عشق نہیں کوئی خلل سے خالی 13

پروفیسر مظفر حنفی لکھتے ہیں:

"بہ حیثیت رُباعی گو شمس الرحمن فاروقی پہلے اپنی مشاقی اور مہارت ثبوت "چار سمتوں کا دریا" کی شکل میں پیش کر چکے ہیں جس میں رُباعی کے تقریباً سبھی مروجہ اور ممکنہ اوزان میں کہی گئی رُباعیاں شامل تھیں۔ اساتذہ فن نے اچھی کی خوبی بیان کی ہے کہ اس کے پہلے تین مصرعے آب بناتے ہیں اور چوتھا مصرعہ فوارے کی طرح چُھٹتا ہے۔ مراد یہ کہ تین مصرعوں کی فضابندی کے بعد آخری مصرعے میں رُباعی نگار اپنے کسی انوکھے تجربے کا نچوڑ پُروقت انداز میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ خیال کی تازگی اور اُسلوب کا نرالا پن قاری کے ذہن و دل کو خوشگوار دھچکا لگائے۔ یہ وصف فاروقی کی رُباعیوں میں بدرجہ اَتم موجود ہے۔ 14

شمس الرحمن فاروقی کی رُباعیات میں اُمید اور مثبت سوچ کا رجحان بہت گہرا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں زندگی سے مایوس ہونے اور کُنجِ ذات کا اَسیر ہونے کا شائبہ تک نہیں۔ وہ تو ایسا سَر چاہتے ہیں جو کٹ کر کسی کے کام آجائے لیکن کسی کے سامنے جھک کر فلک کو شرمسار نہ کرے۔

اک آتشِ سیال سے بھر دے مجھ کو / اک جشن خیالی کی خبر دے مجھ کو

اے موج فلک میں سر اُٹھانے والے / کٹ جائے تو روشن ہو وہ سر دے مجھ کو 15

فاروقی کی رُباعیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں بھی انتظار حسین کی طرح ماضی سے گہرا لگاؤ ہے۔ ان کی نظموں اور غزلوں میں یہ رنگ دبا دبا سا نظر آتا ہے جبکہ رُباعیوں میں یہ رنگ چوکھا پختہ اور رنگینی لیے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ ماضی سے لگاؤ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ایک تخلیق کار تہذیب و ثقافت اور تمدن کے جُملہ مظاہر سے ایک طرح کا فطری لگاؤ رکھتا ہے جو اسے وطن کی مٹی سے جوڑ کر رکھتا ہے اور اس خاک میں خود کو فنا کر دینے میں کسی عار کو جواز نہیں ٹھہراتا۔

شعورِ ذات کا تصور ایک جُداگانہ احساس ہے؛ جو شاعر کی دُکھتی رگ کو مہمیز کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی عشقیہ جذبات کے معاملے میں بڑے سلیقہ شعار واقع ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری کا مجموعی مطالعہ کرنے سے یہ راز کھل کر سامنے آیا ہے کہ فاروقی نے عشقیہ جذبات کی تحسین الفاظ سے نہیں بلکہ دل کے نہاں خانوں کی مرقع آویزش سے کی ہے جس پر ہر کسی کی نگاہ پڑ جانا بہت مشکل ہے۔ فاروقی عشقیہ جذبات کو داخلیت کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں اور کائنات کے اَسرار سے جاملاتے ہیں۔

؎ تاحدِ نظر دُھوپ کا صحرا دیکھوں/اور اس پہ تری آنکھ کا سایہ دیکھوں
جب آنکھ کھُلی تھی تو نہ دیکھا کچھ بھی/اب بند ہے جو آنکھ تو کیا کیا دیکھوں 16ؔ

شمس الرحمن فاروقی کے دوسرے شعری مجموعے "سبز اندر سبز" میں رُباعیوں کی تعداد 22 ہے۔ پہلے شعری مجموعے "گنج سوختہ" کے مقابلے میں اس مجموعے میں رُباعیوں کی تعداد زیادہ ہے جو فاروقی کی صنفِ رُباعی سے دلچسپی کا پتہ دیتی ہیں۔ فاروقی نے اس مجموعے میں رُباعیوں کا ایک ضخیم انتخاب کیا ہے جو ان کی فکر کے پنہاں گوشوں اور فن کے صناعی اظہار کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

فاروقی کی رُباعیات کے موضوع اگرچہ روایتی اور جدت لیے ہوئے ہیں تاہم ان پر ہم عصر شُعرا کا اثر بہت کم ہے۔ فاروقی کا مطالعہ عمر بھر کلاسیکی شعراء کے دواوین رہے اور ان پر نقد و جرح کا سلسلہ کتابوں کے وسیع عنوان کی صورت منظرِ عام پر آچکا ہے۔ فاروقی نے جو بھی لکھا منفرد اور جُدا لکھا۔ ان کی ایک تحریر کا دوسری پر توارد نہیں ہوتا بلکہ قاری کو چونکا دینے والا پیرایہ غالب رہتا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی کی رُباعیات ذات کے نہاں خانوں کی دریافت کا عمل بھی ہے۔ احساسِ زیاں فاروقی کا پسندیدہ موضوع ہے جس پر انھوں نے دسیوں رُباعیاں کہیں ہیں۔ اپنے آپ کو جاننا، پرکھنا اور حقیقت کا ادراک کرنا آسان کام نہیں ہے۔ فاروقی کے ہاں اپنے آپ کو جاننے کے علاوہ علائق سے تعلق کی نوعیت کو متعین کرنا بھی اہم ہے۔ دوست، احباب اور تعلق دار سے روابط و علائق کی سنگینی اور کرختگی کا بے سود اور بے جوڑ تعلق فاروقی کے احساسِ زیاں کا نمائندہ ہے۔ عادل منصوری اور محمد علوی سے اپنے تعلق کی گہرائی اور نوعیت کو اس طرح رُباعی میں بیان کرتے ہیں۔

؎ اک رات ہوں جس کو کہ سویرا نہ ملا/اک ناگ ہوں جس کو کہ سپیرا نہ ملا
اک سحر ہوں ساحر ہی جسے بھول گیا/اک شہر ہوں جس کو کہ لٹیرا نہ ملا 17ؔ

بے سبب نااُمیدی شعراء کا محبوب موضوع ہے۔ اُمید کے سہارے خیالی دُنیا بسا لینا بہت آسان ہے مگر حقیقت اس کے برعکس دیکھ کر نااُمیدی میں زیست کرنا بہت مشکل ہے۔ فاروقی تقسیم برصغیر سے خاصے مُعترض اور اشکالات کا شکار رہے۔ ان کی زندگی میں اایک ملک کا دو حصوں میں بٹ جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم سانحہ تھا جس پر انھوں نے بہت لکھا اور لکھ لکھ کر اپنے غم کو ہلکا کیا۔ ان کی بیسویں رُباعیوں میں اس دُکھ کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اک بھیڑ ہے اندھی سی چلی آتی ہے /اک تیغ حقارت ہے کہ لہراتی ہے
اک جنگل اُگ رہا ہے لمحہ لمحہ /اک بوند بچی تھی سو بہی جاتی ہے 18

شمس الرحمن فاروقی ظلم کی اندھیری رات کو للکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہ رگ میں رواں جو شے ہے اُس کا روک دو یا پھر معصوم آنکھوں کے چراغ گل کر دو اور سر بھی کاٹ لو تاکہ گردن کے زخم پہ کوئی ہمدردی کا پھاہا رکھنے کی کوشش نہ کر سکے۔ خارجی ردِ عمل کی اس سنگینی کو فاروقی نے اپنے ناول "کئی چاند سے سرِ آسماں" میں کھل کر بیان کیا ہے۔ شاہد ملک لکھتے ہیں:

"فارقی کی شاعری میں تجرید، تعقُّل، تفکر، گہرائی، داخلیت، مابعد الطبیاتی اور ماورائی جہتیں، اُسلوب اور ڈکشن کی پیچیدگی' یہ ساری چیزیں مل کر اپنے پڑھنے والوں سے خاصی علمیت اور غور و خوض کا تقاضا کرتی ہیں۔ لفظوں کی کفایت، خیال کی گہرائی، تجریدیت اور داخلیت کے ذریعے فاروقی نے اپنے اشعار میں جو جہان آباد کیا ہے؛ اس تک رسائی کے لیے ادب کے عام قارئین کو خاصی ریاضت درکار ہو گی۔ شعری اظہار کے لیے فاروقی نے جن استعاروں، تمثالوں اور علامتوں کا استعمال کیا ہے وہ عام قارئین کے لیے ایک حد تک نامانوس ہیں۔ فاروقی کی شاعری کا بیشتر حصہ سہل زبان پر مبنی ہے جسے قاری بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ فاروقی کا شعری سفر مشکل پسندی اور پیچیدہ گوئی سے شروع ہو کر سادگی اور برجستگی کی طرف گامزن رہا جو ابتدا سے منتہا تک قاری کو مرعوب اور حیرت زدہ کرتا ہے"۔ 19

فاروقی نے استعاروں کی مدد سے رُباعی کی وسعت میں اضافہ بھی کیا ہے۔ رُباعی ایک مشکل صنف ہے جس میں ایک بات، پہلو یا منظر کو پوری طرح کھپا دینا آسان کام نہیں تاہم یہ مشکل معرکہ فاروقی نے یوں سر کیا کہ انھوں نے بیان و بدیع کے جملہ وسیلوں یعنی تشبیہات و استعارات، علامات و کنایات اور تلازمات کو بروئے کار لاتے

ہوئے رُباعی کے فن کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ فاروقی نے استعاروں کی مدد سے ایک ایسا منظر تراشا ہے جس میں ہجر و وصال اور تقسیم و تقدیس کی ساری رُوداد سمٹ کر مدغم ہو گئی ہے۔

؎ ہے موج صبا سے بڑھ کر کیا زنجیر / سناٹا خود طوفانوں کی تفسیر
سیلاب کناروں کو کھا جاتا ہے / چلتی ہے چٹانوں پہ ہوا کی شمشیر 20

شمس الرحمن فاروقی کے شعری مجموعہ "سبز اندر سبز" میں جہاں نظموں کا دائرہ وسیع ہوتا دکھائی دیتا ہے وہیں رُباعیوں کی تنگ دامانی کو بھی فکر کی جولانی سے کشادہ دینے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ فاروقی کے رُباعیوں میں روایتی موضوعات کی بازگشت کے ساتھ جدید مسائل و رجحانات پر بھی تشکیک آمیز رائے کا بیانیہ واضح انداز میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

؎ اب موج نگہ غبار خونیں بن جائے / زخم جگری باعث تسکیں بن جائے
اے رنگ ہوائے دل بکھر جا اتنا / ہر تار نفس ٹوٹ کے سنگیں بن جائے 21

فاروقی کی رُباعیات میں "کالی آندھی" کا تلازمہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس تلازمے کو فاروقی نے گویا اپنی ذات کی شکستگی کے اعتراف میں تراشا ہے۔ تقسیم کا المیہ ہو یا نجی حالات کی سنگینی کا معاملہ، دوستوں کی چپقلش ہو یا ملکی حالات کا جبر، ان تمام تصورات کو فاروقی نے "کالی آندھی" کا سفیر قرار دیا ہے۔ یہ ایک طرح کی شدید طنز ہے جس کی کاٹ دار لے سے سخت سے سخت دل موم اور پتھرائی آنکھ اشک بار ہو جاتی ہے۔

شمس الرحمن فاروقی کا تشبیہی انداز بڑا منفرد اور جدگانہ وصف لیے ہوئے ہے۔ مناظر کی تصویر کشی اور مرقع کاری کے لیے الفاظ کے دروبست کا سلیقہ جس قدر فاروقی کے ہاں سنجیدگی لیے ملتا ہے۔ یہ عُنصر ان کے ہم عصر شعرا کے ہاں خال خال دکھائی دیتا ہے۔ "ہڈی کی چُھری، آنکھ کی کماں، چوڑی کی کھنک، ہونٹوں کی نمی، بجلی کی جلن، شیطانی ہنسی، طاؤس کا پاؤں، ننگا ٹھنڈا جنوں" تشبیہات سے فاروقی کی لفظی تصویر کشی کا جہانِ رنگ و بو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

فاروقی کے ہاں استفہامیہ انداز صنف رُباعی کی شان اور وقعت میں اضافے سبب ہے۔ فاروقی کی نظموں اور غزلوں میں بھی اس فنی وصف کا استعمال بہت فرواں انداز میں ہوا ہے۔ رُباعیوں میں سوال و جواب کا انداز اپنانا اور پھر بات کو کسی منطقی انجام تک لے آنا آسان کام نہیں۔ فاروقی نے اس جوئے شیر کو آسانی سے اپنی گرفت میں کر لیا ہے۔

ـ گھر اہوں لوٹ آؤں میں نے پوچھا /دیکھا ہے بھول جاؤں میں نے پوچھا
ان آنکھوں کو کھولے ہوئے ہے پنجۂ شیر /آنکھوں کو چھوڑ آؤں میں نے پوچھا22؎

دُنیا کی بے ثباتی اور موت کی حقیقت ایک ایسا موضوع ہے جس پر سبھی شعراء نے ممکنہ انداز میں قلم فرسائی کی ہے۔ دُنیا کی فنایت اور موت کی حقیقت سے مُعترض ہونا بچگانہ فعل ہے۔ جو آیا ہے اُس نے جانا ہے۔ کوئی ہمیشہ کے لیے یہاں نہ ٹھہرا اور نہ کوئی ابد تک یہاں مقیم رہ پائے گا۔ قدرت کا یہ اُصول ہے کہ ہر چیز کو فانی ہے اور اس نے اپنے متعین وقت میں فنا ہونا ہے۔ فاروقی خود اس فلسفۂ حیات و ممات کے پوری طرح قائل ہیں اور اس کا پرچار بھی کرتے ہیں۔

ـ اے سر بلفک پیڑ جوانی رُک جا/بل کھاتے سرپٹکتے پانی رُک جا
اے برف پہ طوفان تعاقب کے سوار/فانی ہے سب فانی فانی رُک جا23؎

فاروقی کے ہاں موت ایک عالمگیر سچائی کے طور پر سامنے آتی ہے جس سے انکار خود موت کا اعتراف بن گیا ہے۔

ـ چہرے کی حقیقت مٹی پانی پھول/میدان کی وسعت مٹی پانی پھول
اے رشتۂ نو شین میں لپٹی ہوئی موت/ہم جیسوں کی نخوت مٹی پانی پھول24؎

مادرِ وطن کا تصور شعرا کے ہاں تواتر سے ملتا ہے۔ ہندو دھرم میں زمین کو ممتا کا درجہ حاصل ہے۔ زمین سے انسان کا خمیر اُٹھا ہے۔ اسی زمین سے انسان کے لیے پھل، پھول اور اجناسِ کل کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہی زمین انسان کا بوجھ اُٹھاتی ہے اور اسے پال پوس کر اپنے خلاف بھی کر لیتی ہے۔ یہی زمین بڑے بڑے سورماؤں اور فرعونوں کو اپنے وجود میں لینے سے انکار بھی کرتی ہے اور ان گنت اجسامِ خاکی کو خاک میں ملا لیتی ہے۔ فاروقی زمین کے لیے لڑنے مرنے اور اس کی حفاظت کے لیے تن من دھن نثار کرنے والے شہیدوں کو چیختی راہوں میں جانے سے بظاہر روکتے دکھائی دیتے ہیں لیکن پتھر زمین میں بیج بونے کا عمل کو انسانوں کی حیات کا نکتہ آفرینش بھی قرار دیتے ہیں۔

ـ پتھر ہے زمین بیج بونا مشکل/گھر ادھبا دل سے دُھونا مشکل
ان چیختی راہوں کے شہیدوں سے کہو/مت جاؤ تمھیں دفن بھی ہونا مشکل25؎

شمس الرحمن فاروقی کے تیسرے شعری مجموعے "چار سمت کا دریا" میں 49 رُباعیاں شامل ہیں۔ یہ مجموعہ ایک طرح سے مجموعہ رُباعیات ہی ہے۔ فاروقی نے اس مجموعے میں نظمیں، غزلیں بھی شامل کی ہیں لیکن اسی فیصد حصہ رُباعیات پر مشتمل ہے۔ بطور شاعر فاروقی نے ہر شعری صنف مین طبع آزمائی کی۔ ان کے ہم عصر

شعراء اور نقادوں نے بطور شاعر فاروقی کی کچھ زیادہ تحسین نہیں کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جو معیارِ اُصول انھوں نے دوسروں کی شاعری کے جملہ اوصافِ محاسنِ شعری کو پرکھنے اور مُتعین کرنے کے لیے تراشے تھے۔ وہی اُصول ان کی شاعری پر اطلاق کرنے سے بطور شاعر فاروقی کی تحسین ذرا مشکل ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ یہ تاثر کسی حد تک درست ہے تاہم پوری طرح فاروقی کی بہ حیثیت شاعر ذات کو نظر انداز کر دینا ایک تعصب آمیز رویے کی نشاندہی کرتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی "آسمان محراب" میں لکھتے ہیں:

> "بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری شاعری کا رنگ اِدھر کچھ بدلا ہے۔ گزشتہ تقریباً دو دہائیوں کے اس خرمن خاکستری کو یک جا دیکھا ہوں تو مجھے کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ یہ ضرور ہے کہ اگرچہ مجھ پر اتباعِ میر کا الزام نہیں لگ سکتا؛ لیکن یہی اٹھارہ بیس میں نے میر کی غزل کو سمجھنے میں صرف کیے ہیں"۔26

اس مجموعے میں فاروقی نے رُباعیات کا وسیع انتخاب شامل کر کے خود کو "رُباعی گو شاعر" متعارف کروانے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ فاروقی کی اس مجموعے کی رُباعیوں کے موضوعات میں وسعت اور پختگی زیادہ نظر آتی ہے۔ عمر کے متوسط حصے میں جہاں انسان عقل و شعور کی معراج پر متمکن ہوتا ہے وہاں تخلیق کا دھارا ابھی رواں، سہل اور تفہیم آمیز شکل اختیار کر جاتا ہے۔ فاروقی نے اس مجموعے میں زیادہ تر ملکی مسائل کے خلجان آمیز معاملات کو طنز کا نشانہ بنایا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ دُنیا کے سبھی انسان ایک طرح سے نہیں سوچتے بلکہ ان کے عمل کا فطری اختلاف اس دُنیا کی تعمیر و تخریب کا باعث بنا ہوا ہے۔ کشمکشِ ذات کا استعارہ فاروقی نے دُنیا کے جملہ مسائل کا تخریبی تلازمہ قرار دیا ہے۔

ے کنجشک کو شیروں کا جگر دے دینا/ گل برگ کو بجلی کا ثمر دے دینا
ہے سہل تجھے مگر سب سے آساں/ بے تاب دُعاؤں میں اثر دے دینا27

انسانی بساط کا دائرہ کاریوں تو افلاک سے ماورا ہے لیکن یہ انسان ہی ہے جو معمولی حشرات سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور شیروں کے آگے ٹھہر جاتا ہے۔ انسان ہمت کرے تو پہاڑ سر کر لیتا ہے اور نااُمید ہو جائے تو تنکا اُٹھانے کی سکت سے محروم ہو جاتا ہے۔ فاروقی کے ہاں انسانی بساط کا موضوع وسیع تر معنی میں آیا ہے۔ انسان کی بساط اس کے پٹھوں کی گرمی اور جوش کی حرارت پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ عالی حوصلہ اور بے باکی کی فطری جولانی میں پنہاں ہوتی ہے۔

- ریشہ ریشہ بکھر گیا میں نہ کہ تو/اپنی تہ میں اُتر گیا میں نہ کہ تو
  اے سرِ چکراتی وسعت کے مالک/ تھکتے تھکتے ٹھہر گیا میں نہ کہ تو28۔

شمس الرحمن فاروقی کے ہاں آحدیت کا تصور بڑا جان دار ہے۔ فاروقی نے مذہبی عقیدت کو بیشتر نظموں کا موضوع کا بنایا ہے۔ کائنات کے مالک نے اس جہانِ رنگ و بو کو قسم قسم کے عجائبات سے منقش کیا ہے اور اس بو قلمونی کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ انسان اس رنگ و آہنگ کو تسخیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب ناکام ہو جاتا ہے تو گلے شکوے پر اُتر آتا ہے۔ فاروقی کے ہاں شکوے کا انداد ملاحظہ کیجیے۔

- دیدارِ ہوسے میں ہوں بیتاب کہ تو /عالم ہے ترا علم اسباب کہ تو
  ہر صفحۂ ناخواندہ کو بھرنے والے/دریائے فراقت شدہ پایاب کہ تو29۔

بطور انسان اپنی وقعت کے تعین میں فاروقی ہمیشہ تشکیک کا شکار رہے۔ ان کے ہاں انسانی بساط کی تعین کوئی معمولی بات نہیں جسے شغلِ طِفل سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ رب سے نوحہ خوانی کا انداز ملاحظہ کیجیے۔

- ساون کا سبزہ ہی دکھایا ہوتا/ابری نہیں یک رنگ بنایا ہوتا
  تو نے تو نمک زار میں بویا مجھ کو/کوڑے کے ہی ڈھیر پر کھلایا ہوتا30۔

وقت کے جبر کے آگے کسی کی گال گلتے نہیں دیکھی۔ وقت ایک بے رحم موج ہے جو اپنی ضد میں آنے والی ہر چیز کو بہا کر لے جاتی ہے۔ کلاسیکی شعرا سے لے کر شمس الرحمن فاروقی تک سبھی شعرا کے وقت کا تصور مختلف انداز میں ملتا ہے۔ وقت کی حدود و قیود اور اس کی سحر انگیزی سے شعرا کی جمالیاتی حسِ زکاوت کو جہاں ٹھیس لگتی ہے وہیں انھیں اپنے کم تر اور سبک رو ہونے کا احساس بھی ہوتا ہے۔ فاروقی کے ہاں "وقت کی بندی" کا ذکر ملاحظہ کیجیے۔

- میں وقت کا بندی تھا رہائی کا ہے غم /زنجیر شکستگی ہے صوتِ ماتم
  تھی بند سلاسل میں بھی ذلت لیکن/آں درد گر بود کہ خنداں خوردم31۔

فاروقی نے وقت کو "زنداں" قرار دے خود کو "افلاک کی کال کوٹھری" کا اسیر قرار دیا ہے۔

- ہر چھوٹی پہاڑی پہ اُفق کا ہے گماں/ ٹھہراؤ ہے یا وقت بنا ہے زنداں
  ٹیلے کہرے کے بازوؤں میں میداں/چپ چاپ پُراسرار سا لیٹا ہے یہاں32۔

شمس الرحمن فاروقی معدودے چند شعراء اور نقادوں میں شامل ہیں جنھوں نے اپنے لیے خود اُصولِ شعر و شرح وضع کیے اور عمر بھر ان پر کاربند خود بھی رہے اور دوسروں کو بھی ان کا مقلد رہنے کا درس دیا۔ فاروقی

نے "لفظ" کی حُرمت کے لیے کسی سمجھوتے کو گوارا کرنا قبول نہ کیا۔ زمانے کے تیور کے بر خلاف اپنی انفرادیت کا عَلم خود اپنے نحیف کاندھوں پر اُٹھائے رکھا۔ ان کی اس بے باکی اور بے خوفی نے ان سے وہ کام لیا جو بہت کم کو نصیب ہوا ہے۔

ے ہر سر کو ہر درد کا سودا لکھا/الہام کو اوہام گوارا لکھا

ادراک کا دُھوکا ہوا اصل کو ہو/ہر اصل کو ادراک کا دھوکا لکھا33

شمس الرحمن فاروقی کے ہاں لفظیات کا شاعرانہ استعمال بہت فراخدلی سے ملتا ہے۔ فاروقی نے فیض احمد فیض، منیر نیازی، پروین شاکر اور مشتاق احمد کی طرح "ہوا" کا ستعارہ بہت زیادہ برتا ہے۔ فاروقی کے ہاں "ہوا" ایک نباض، واقف کار، ہمدرد، مونس اور غم خوار کی صورت دل کو بہلائے اور خواہشوں کو جگائے رکھتی ہے۔ فاروقی نے "ہوا" کے استعارا تمثیلی انداز میں جنگل کی سنسان سراسراہٹ کا پتہ دیتا ہے۔

ے جنگل تھرا اُٹھا ہے سویا تھا ابھی/سنسان ہوا سے کوئی بولا تھا ابھی

ساکت گمبھیر فرش شب کے اوپر/لمبے قدموں سے کون گزرا تھا ابھی34

شمس الرحمن فاروقی کے ہاں کائنات کے مناظر فطرت کی عکاسی بہت خوبصورت شکل آراستہ کیے ہوئے ملتی ہے۔ فاروقی کے ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" کی خوبصورتی اور اثر انگیزی کا سب سے اہم فنی عنصر منظر نگاری ہے۔ منظر نگاری کے بغیر کسی شہ پارے کا حُسن ثابت کرنا اور اس سحر کاری کا رُعب قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فاروقی نے رُباعیوں میں بھی اس مشکل فنی عُنصر کو کامیابی سے برتا ہے اور بَرت کر دکھایا ہے۔

ے پیوستہ ہوس کا جنگل شام ہوا/رگ رگ میں ٹپکتا جنگل شام ہوا

اونچی چھت سے نیل فلک کا منظر/خنجر سا نگیلا جنگل شام ہوا35

"دریا، جنگل، کوک، آبِ گہر، کوئیل، نیل فلک، نکیلا جنگل، گل شاخ، بوجھل شگوفے، تیرتا گنگن" ایسے لفظی منظر ہیں جن سے فاروقی کے ذخیرہ الفاظ اور مشاہدے کی وسعت کی گہرائی کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

ے دریا دریا میں ناؤ کاغذ کا مکاں/گردن گردن آبِ گہر میں طوفاں

کوئل کوئل کی کوک پھولوں میں پھوار/آنکھوں آنکھوں میں دردِ رفتہ لرزاں36

پروفیسر مظفر حنفی لکھتے ہیں:

"فارقی اپنی نثر کی طرح شاعری کو بھی حسبِ ضرورت مناسب اور متناسب الفاظ بآسانی دے ڈالتے ہیں۔ الفاظ کی مصنوعی بُنت کا سلیقہ انھیں خوب آتا ہے۔ حشو و زائد کے حامل مصرعے اور فقرے بھی کم ہی نظر آتے ہیں۔ ہندی اور فارسی سے فارقی بخوبی واقف ہیں۔ عربی سے بھی ان کی یادِ اللہ ہے اور ان زبانوں کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں 37"۔

شمس الرحمن فاروقی کے چوتھے شعری مجموعے "آسماں محراب" میں 07 تضمینی رُباعیاں ہیں جبکہ 27 رُباعیاں انھوں نے خود کہیں ہیں جو ان کے اس مجموعے میں شاملِ انتخاب کی گئی ہیں۔ فاروقی نے شیخ فرید الدین عراقی، شیخ فریدالدین عطار، استاد ابوالفرج رونی، شیخ ابوسعید ابی الخیر، مولانا صوفی ماذندرانی، میرزا عبدالقادر بیدل کی رُباعیوں کو تضمین کیا ہے جس میں فلسفہ حیات و ممات اور جزوِ احوالِ زیست فقر کو آسان، سہل اور رواں انداز میں اُردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

شمس الرحمن فاروقے کے اس مجموعے کی رُباعیوں کا رنگ وآہنگ نوکیلا اور خاردار ہے۔ فاروقی نے اس مجموعے میں رُباعیوں کے انتخاب میں احتیاط برتی ہے۔ اس مجموعے کی رُباعیوں کے 'مرگ وحیات، ہست ونیست اور حیات و ممات' کے جملہ اَسرار سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جس میں یہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ انسانی حیات کے اس جزوقتی عہد میں بے شمار مسائل واوہام فکر کی جولانی کو منجمد کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جن سے نبرد آزما ہونا انسان کی مجبوری بھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا بھی۔ فاروقی کی کم وبیش سبھی رُباعیوں میں اسی کشمکش کو برابر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

ے اب میں ہوں اور آفاق کی پہنائی دشت / سر پر باری آبِ تمنا کا طشت
تشنہ کنار جوے چنداں خفتم / کز جوئے من آبِ زندگانی بگذشت 38

علیم صبانویدی لکھتے ہیں:

"شمس الرحمن فاروقی کی نظموں اور غزلوں کے علاوہ رُباعی کی صنف ان کا خاص میدان ہے۔ ان کی رُباعیوں کے مصرعے کئی شعرا کے مصرعے، اشعار کی طرح رُباعی میں گندھے ہوئے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ان کو علاحدہ کرنے سے رُباعی کا مجموعی حُسن ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ فاروقی صاحب کے مجموعہ "آسمان محراب" میں رُباعیات کا حصہ بڑا ہی وقیع اور

جاندار ہے۔ تضمینی رُباعیوں کا تو جواب ہی نہیں۔ اس طرح "پکی عمر کی رباعیوں" میں ان کی اپنی اختراعی شان جھلکتی ہے"39

شمس الرحمن فاروقی کی شاعری میں تعلق کا عنصر بہت فراواں ملتا ہے۔ ان کی نظموں اور غزلوں میں بھی اس وصف کا اظہار بالعموم پایا جاتا ہے جبکہ رُباعیوں میں اس کی بازگشت ذرا مدھم سنائی دیتی ہے لیکن بحر حال سنائی ضرور دیتی ہے۔

۔ جو عقل کے جھانسے میں نہ آئے وہ ہے دل / جو من مانی کرتا جائے وہ ہے دل
اک بوند کُنہ پہ سو قلزم روئے / پھر نا کردہ پر پچھتائے وہ ہے دل40

فاروقی کے ہاں فلسفہ وحدت الوجود اور شہود کے بارے میں بھی ایک خفیف کا تاثر بھی ملتا ہے جس کا ذکر ان کی نظموں اور رُباعیوں میں جابجا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ فاروقی نے شعوری طور پر کلاسیکی شعرا کے روایتی موضوعات کو منظوم کرنے سے احتراز کیا ہے تاہم اِس کوشش میں زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ برصغیر کی شاعری کا مجموعی شاخشانہ تصوف کے جملہ ماحث سے عبارت ہے۔ تصوف کے نظریات کا پرچار اور اس سے متعلق اوہام کو شعرا نے اپنے اپنے رنگ میں باندھا ہے جو کہیں بہت پھیکا اور کہیں کہیں بہت پختہ اور ان مٹ معلوم ہوتا ہے۔

۔ عرفاں کے دریا سی پُراسرار ہے آنکھ / خوش گو ہے مگر مانع گفتار ہے آنکھ
جب شرم سے اُٹھے نہ تو بیمار ہے آنکھ / بایں ہمہ عیاروں کی عیار ہے آنکھ41

فاروقی نے حوائس لذائز کا منبع و مخرج "دل" کو قرار دیا ہے۔ جنگل کے بدن میں دل کی کج بازی ایک درویش کے زر مروج سے کہیں بہتر و برتر ہے۔ فاروقی کے ہاں دل کی اس فسوں کاری کو ملاحظہ کیجیے۔

۔ ہر لذت کا منبع و مخرج ہے دل / جنگل ہے بدن جنگل کا گج ہے دل
کج باز ہو تم صاحب تو کج ہے دل / درویشوں میں زر مروج ہے دل42

فاروقی نے دل کو شیطان کی آماجگاہ قرار دیا ہے اور کے کسی طور نہ بھرنے کا شکوہ بھی کیا ہے۔

۔ شیطان کسی طرح مرتا ہی نہیں / بندے سے نہ مالک سے ڈرتا ہی نہیں
گمنامی و ذلت کے بھی غاروں سے عمیق / دل ایسا جہنم ہے کہ بھرتا ہی نہیں43

سلیم سہیل لکھتے ہیں:

"شاعر کی جہاں یہ خوبی ہوتی ہے کہ نامعلوم کو معلوم بنا دیتا ہے وہیں یہ کیفیت بھی دَر آتی ہے کہ دِید کو آن دید دکھادے۔ لازم نہیں کہ کسی کا شعر ایسا ہو کہ پر دیوان دینے کی بات کی جائے۔ شاعری تو زندگی کے جملہ اظہار کے عمدہ سلیقے کا نام ہے اور شمس الرحمن فاروقی کے حصے میں یہ سلیقہ مہذب کیفیت میں ڈھلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ فاروقی قاری اور ذہنی ریاضت میں فصیل حائل نہیں کرتے بلکہ سیدھا دل پر چوٹ کرتے ہیں"۔44

فاروقی کے ہاں آدابِ محبت اور آدابِ وصل کا بیان بڑی شوخی لیے ہوئے ہے۔ شوخی کا یہ رنگ اپنے اندر خواہ کیسی ہی سادگی اور نرمل کو ملتار کھتا ہو اس کے باوجود خواہش کا منہ زور گھوڑا پھسلنے سے باز نہیں آتا۔ فاروقی کے جذبہ التفات کو لفظوں کی گہری تہ سے کرید کا باہر نکالنا پڑتا ہے۔

مہجوری کے آداب سکھاتا کیسے / اپنے کو اجنبی بتاتا کیسے

جسموں کا فاصلہ تو اک دم میں ہے طے / دوری کا سبق دل کو پڑھاتا کیسے 45

شمس الرحمن فاروقی کے پانچویں شعری مجموعے "آسماں محراب کے بعد" میں رُباعیوں کا ایک ضخیم انتخاب موجود ہے جس میں پانچ رُباعیاں تضمین کی گئی ہیں جن میں حیدر تبریزی، باباافضل کاشی، شاہ نعمت اللہ ولی، مُلا سابق بنارسی اور اشرف ماژندانی کی رُباعیوں کے مصرے بطور تضمین کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں احمد ندیم قاسمی پر چار رُباعیاں کہی گئی ہیں۔ مزید ایک عنوان "کسی کے چلے جانے کی کئی مہینے بعد" سے 09 رُباعیاں کہی گئی ہیں۔ ایک عدد "رُباعی شہر آشوب" انتخاب میں شامل ہیں۔ مزید ایک عنوان "کسی کے چلے جانے کے کوئی ڈھائی سال بعد" کے حوالے سے 07 رُباعیاں کہی گئی ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی کے اس آخری مجموعے میں رُباعیوں کا انحصار تضمینی اور انتسابی نوعیت کا ہے۔ ان رُباعیوں میں موضوعات کی تکرار کے ساتھ سطحیت کا گمان ہوتا ہے۔ فاروقی نے اس مجموعے میں کسی نئے موضوع پر رُباعی کہنے کی کوشش سے گریز کیا ہے۔ یوں لگتا ہے اس مجموعے میں زیادہ تر پہلے سے کہی گئی رُباعیوں کو یکجا کر نے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

عمر کے اواخر حصے میں شاعر خود کو دُہرانے لگتا ہے۔ فاروقی کے معاملے میں یہ بات صادق آتی ہے۔ فاروقی نے ان رُباعیوں میں زیادہ تر اخلاق وعادت اور زیست کے تلخ حقائق کے بارے میں مصلحانہ رائے دینے کی منظوم سعی کی ہے۔ ان رُباعیوں کا فنی حُسن پہلی رُباعیوں کے مقابلے میں نسبتاً کم اور پست آور ہے۔

تخلیق و تخیل کا خزانہ دے دے / کچھ اچھے بندوں کا زمانہ دے دے

پھولوں ک و مرے نور نہانا دے دے / پھر مجھ کو دُنیا سے جانا دے دے 46؎

فاروقی کے ہاں پند و نصائح کا عُنصر سخت گیر ہونے کی بجائے نرم، کومل اور پنے تُلے الفاظ میں ملتا ہے۔ اپنی بات کو کہہ دینا اور بہت کچھ کہنے سے تامل کرنا فاروقی کے فنِ تخلیق کا اچھوتا پیرایہ ہے۔

ـ کرسی تو اونچی ہے سلیقہ نہیں کچھ / دیوار ہے پُشت اور وثیقہ نہیں کچھ

معمار ہے مطلق تو میں چپ ہوں ورنہ / آتا اسے تعمیر طریقہ نہیں کچھ 47؎

فاروقی کے ہاں وعظ و نصیحت کا پہلو ملاحظہ کیجیے جس میں ان کی حیثیت ایک بزرگ ایسی ہے جو اپنے اطفال کو زندگی کے اسرار سے کہانی سُنا کر آگاہ کر رہا ہے۔

ـ سچا وہی سورما جو تنہا نہ بچے / وہ پیڑ بھی کیا پیڑ جو طوفاں میں لچے

خنجر وہ جو پتھر کے جگر میں اُترے / خون اس کو کہیں گے ہم جو منہدی سا رچے 48؎

سلیم سہیل لکھتے ہیں:

"شمس الرحمن فاروقی نے اُردو کی کم و بیش ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ شعر، افسانہ، ناول، تنقید، ترجمہ، لغت نویسی، ادارت؛ الغرض ادب کی جملہ اَصناف میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک آدمی اتنے کام کیسے کر سکتا ہے۔ فاروقی نے یہ سارے کام کیے اور خوبی یہ ہے کہ وہ اتنی متنوع اَصناف کے ساتھ معاملہ کرنے میں ناکام نہیں ہوئے۔ ان کا اظہار ہر صنف کے تقاضوں کی تکمیل کرتا نظر آتا ہے۔ وہ اظہار میں ہر صنف میں خود معتکف ہیں"۔ 49؎

شمس الرحمن فاروقی عمر بھر اپنے کام سے کام رکھے زبانِ و ادبِ اُردو کی خدمت میں گوشہ نشیں رہے۔ ان کی ستر سالہ ادبی خدمات نے انھیں شہرت و ناموری کے آسمان پر متمکن کیا اس امتیازی وصف کے باوجود ان کے اندر کی اضطراری اور تشکیک کی عادت زائل نہ ہو سکی۔ وہ جو کچھ کہنا، لکھنا اور بتانا چاہتے تھے شاید وہ پوری طرح کر نہ پائے۔ ان کی اس رُباعی سے ان کے ذہن کی گُنجلک کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی بلاشبہ ایک عظیم فنکار تھے جنھوں نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے اور معیار و اقدار کی گراوٹ کا رونا رونے سے ہمیشہ خود کو دور رکھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔

ـ اُلجھائیں یہ دُنیا کے بکھیڑے نہ مجھے / ہے شرط یہی کہ کوئی چھیڑے نہ مجھے

چپ چاپ سے گم نام میں رہ جاؤں گا / مردہ ہوں گڑا کوئی اکھیڑے نہ مجھے 50؎

حوالاجات

1. ۔یوسف رامپوری،ڈاکٹر،اُردو رُباعی کا سفر،عہدِ رفتہ سے عہدِ موجودہ تک، مشمولہ،رسالہ،ادبی میراث، شمارہ،03،جون،2021ء
2. ۔محمد عبداللہ خان خویشگی، فرہنگِ عامرہ، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،2008ء، ص:286
3. ۔فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،اُردو رُباعی(فنی وتاریخی ارتقا)،مکتبہ عالیہ، کراچی،1982ء، ص:30
4. ۔ نجم الغنی ،مولوی،رام پوری،بحرالفصاحت(حصہ دوم)،مجلس ترقی ادب،لاہور،2002ء،ص:235
5. ۔عبدالحق، مولوی، قواعد اُردو،انجمن ترقی اُردو، پاکستان، کراچی،2008ء، ص:61
6. ۔ سید رضا حیدر، محضر رضا (مرتبین) ، شمس الرحمن فاروقی: ادیب و شاعر،غالب انسٹی ٹیوٹ، نئ دہلی،2019ء،ص:52
7. ۔حمزہ ناوک پوری، جنوں خواب،ادارہ ادبیات،حیدرآباد، سن،ندارد، ص:13
8. ۔اکرم نقاش، حشر سی یہ برسات، مشمولہ، دیباچہ، شمس الرحمن فاروقی،اماڈرن پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2009ء،ص:08
9. ۔ کوثر صدیقی، جاوید یزدانی، کاروان ادب،(شمس الرحمن فاروقی نمبر)،شمارہ نمبر،12، سن (ندارد)، دہلی،ص:120
10. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں(کلیات)، شمس الرحمان فاروقی ،مشمولہ،پیش لفظ،رنگ ادب پبلیکیشنز، کراچی،2019ء،ص:30
11. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، رنگ ادب پبلیکیشنز، کراچی،2019ء ص:418
12. ۔ایضاً، ص:419
13. ۔ایضاً، ص:420
14. ۔ کوثر صدیقی، جاوید یزدانی،کاروان ادب،(شمس الرحمن فاروقی نمبر)،مشمولہ، مضمون:"شمس الرحمن فاروقی بہ حیثیت شاعر"، شمارہ نمبر،12،ص:117
15. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:461

16. ۔ایضاً، ص:462
17. ۔ایضاً، ص:465
18. ۔ایضاً، ص:466
19. ۔شاہد ملک، شمس الرحمن فارقی بہ حیثیت شاعر، مشمولہ، دی وائر، ویب بلاگ، 25 دسمبر، 2020ء
20. ۔مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:466
21. ۔ایضاً، ص:468
22. ۔ایضاً، ص:470
23. ۔ایضاً، ص:470
24. ۔ایضاً، ص:484
25. ۔ایضاً، ص:495
26. ۔کوثر صدیقی، کاروانِ ادب (بھوپال)، غالب اکیڈمی، دہلی، 2013ء، ص:109
27. ۔مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:475
28. ۔ایضاً، ص:476
29. ۔ایضاً، ص:477
30. ۔ایضاً، ص:530
31. ۔ایضاً، ص:478
32. ۔ایضاً، ص:481
33. ۔ایضاً، ص:481
34. ۔ایضاً، ص:482
35. ۔ایضاً، ص:486
36. ۔ایضاً، ص:487
37. ۔کوثر صدیقی، کاروانِ ادب (بھوپال)، غالب اکیڈمی، دہلی، 2013ء، ص:113
38. ۔مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:497
39. ۔کوثر صدیقی، کاروانِ ادب (بھوپال)، غالب اکیڈمی، دہلی، 2013ء، ص:139

40. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:498
41. ۔ ایضاً، ص:499
42. ۔ ایضاً، ص:500
43. ۔ ایضاً، ص:500
44. ۔ سلیم سہیل، مجلس آفاق میں پروانہ ساں: میری نظر میں، ویب بلاک، اُردولو، 02 جنوری، 2019ء
45. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:503
46. ۔ ایضاً، ص:511
47. ۔ ایضاً، ص:512
48. ۔ ایضاً، ص:512
49. ۔ سلیم سہیل، ویب بلاک، اُردولو، 02 جنوری، 2019ء
50. ۔ مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں (کلیات)، شمس الرحمان فاروقی، ص:514

Contact:

Muhammad Mohsin Khalid

Lecturer, Govt.Shah Hussain Associate College

Chung,Lahore

Mohsinkhalid53@gmail.com/03014463640

House no 03 street no 09 Shadab colony Chung Multan road Lahore